

ہی نہیں دنیا کا ایک بڑا حصہ آپ کے ہاتھ آجائے گا، ہندوستان میں اقلیت اور اکثریت کا جھگڑا دیکھتے دیکھتے ختم ہو جائے گا، ہندوستان میں خالص اسلامی حکومت کو قائم ہونے سے کوئی طاقت نہ روک سکے گی، بہت قلیل مدت کے اندر مسلمان ممالک بھی کایا پٹ جائے گی اور خود وہ قومیں تک جو آج ساری دنیا پر چھائی ہوئی ہیں، مسخر ہونے سے محفوظ نہ رہ سکیں گی۔

دوسری صورت یہ پیش آسکتی ہے اور یہی اس وقت متوقع بھی ہے کہ مسلمانوں میں سے بتدریج تھوڑی تھوڑی تعداد میں پاک نفس اور اعلیٰ درجہ کے ذہن رکھنے والے لوگ ہماری اس دعوت کو قبول کرتے جائیں گے اور جب تک صالحین کا یہ گروہ منظم ہو کر ایک طاقت بنے، عام مسلمان اپنے لیڈروں کی پیروی میں وہی کچھ کرتے رہیں گے جو ایک مدت سے کرتے آ رہے ہیں اور آج کر رہے ہیں۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ وہ خطرہ پیش نہیں آسکتا جس کا آپ اندیشہ ظاہر کر رہے ہیں، کیونکہ غلط کارسلمانوں کی عظیم اشدان اکثریت وہ سارے کام کرنے کے لیے موجود ہے جن کے نہ کرنے سے آپ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کا قومی مفاد خاک میں مل جائے گا۔ البتہ اگر یہ سارے کام ہوتے رہیں اور صرف وہی ایک کام نہ ہو جس کی طرف ہم بلا رہے ہیں اور اگر ہم بھی امر حق اور اس کے تقاضوں سے آنکھیں بند کر کے محض قوم اور اس کے مفاد کی فکر میں اُن باطل کاریوں کی طرف دوڑ جائیں جو آج اسلام اور مسلم مفاد کے نام سے ہو رہی ہیں تو یقین رکھیے کہ اسلام کا جھنڈا تو خیر کیا بلند ہوگا، مسلمان قوم اس ذلت و خواری اور اس پستی کے گڑھے سے بھی نہ نکل سکے گی جس میں وہ یہودیوں کی طرح صرف اس لیے مبتلا ہوئی ہے کہ خدا کی کتاب رکھتے ہوئے اس نے اس کتاب کا منشا پورا کرنے سے منہ موڑا۔

مجالس قانون سازی کی رکنیت اور نظام کفر کی ملازمت شرعی نقطہ نظر سے

سوال :- کیا مسلمان کو بحیثیت مسلمان ہونے کے اسمبلی کی ممبری جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ یہاں مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے نمائندے اسمبلی کی رکنیت کے لیے کھڑے ہو رہے ہیں اور ان کی طرف سے ووٹ حاصل کرنے کے لیے مجھ پر دباؤ پڑ رہا ہے جیسا کہ علما تک کا مطالبہ یہی ہے۔ اگرچہ مجھ کو جانتا ہوں کہ انسانی حاکمیت کے نظریے پر قائم ہونے والی اسمبلی اور اس کی رکنیت دونوں شریعت کی نگاہ میں ناجائز ہیں، مگر تا وقتیکہ

مستقل وجوہ پڑنا نہ کر سکوں، ووٹ کے مطالبہ سے چھٹکارا پانا دشوار ہے۔

یہ امر بھی دریافت طلب ہے کہ سرکاری ملازمت کی حیثیت کیا ہے؟ اس معاملہ میں بھی سرسری طور پر

میری رائے عدم جواز کی طرف مائل ہے مگر واضح دلائل سامنے نہیں ہیں۔

جواب :- اسمبلی کے متعلق تو یہ سمجھ لیجیے کہ موجودہ زمانہ میں جتنے جمہوری نظام بنے ہیں (جن کی ایک شاخ

ہندوستان کی موجودہ اسمبلیاں بھی ہیں) وہ اس مفروضے پر مبنی ہیں کہ باشندگان ملک اپنے معاملات کے متعلق خود

مندانہ سیاست، معیشت، اخلاق اور معاشرت کے اصول وضع کرنے اور ان سے تفصیلی قوانین و ضوابط بنانے کا

حق رکھتے ہیں، اور اس قانون سازی کے لیے رائے عام سے بالاتر کسی سند کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نظریہ اسلام کے

نظریہ سے بالکل برعکس ہے۔ اسلام میں توحید کے عقیدے کا لازمی جز یہ ہے کہ لوگوں کا اور تمام دنیا کا مالک اور

فرمان روا امر تقائی ہے، ہدایت اور حکم دینا اس کا کام ہے اور لوگوں کا کام یہ ہے کہ اس کی ہدایت اور اس کے

حکم سے اپنے لیے قانون زندگی اخذ کریں، نیز اگر اپنی آزادی رائے اختیار کریں بھی تو ان حدود کے اندر کریں جن

حدود میں خود امر تقائی نے ان کو آزادی دی ہے۔ اس نظریے کی رو سے قانون کا ماحذ اور تمام معاملات زندگی

میں مرجع امر کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت قرار پاتی ہے۔ اور اس نظریہ سے ہٹ کر اول الذکر جمہوری

نظریے کو قبول کرنا گویا عقیدہ توحید سے منحرف ہو جانا ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ جو اسمبلیاں یا پارلیمنٹیں موجودہ زمانہ

کے جمہوری اصول پر مبنی ہیں ان کی رکنیت حرام ہے۔ اور ان کے لیے ووٹ دینا بھی حرام ہے، کیونکہ ووٹ دینے کے

سنی ہی یہ ہیں کہ ہم اپنی رائے سے کسی ایسے شخص کو منتخب کرتے ہیں جس کا کام موجودہ دستور کے تحت وہ قانون سازی

کرنا ہے جو عقیدہ توحید کے سراسر منافی ہے۔ اگر علمائے کرام اس سے کوئی صاحب اس چیز کو حلال اور جائز سمجھتے ہیں

تو ان سے اس کی دلیل دریافت کیجیے، اس مسئلہ کی تفصیل اگر آپ سمجھنا چاہیں تو میری کتاب سیاسی کشمکش ص ۸۰

اور اسلام کا نظریہ سیاسی ملاحظہ فرمائیں۔

اس قسم کے معاملات میں یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ چونکہ یہ نظام مسلط ہو چکا ہے اور زندگی کے سارے معاملات

اس سے متعلق ہیں اس لیے اگر ہم انتخابات میں حصہ دلیں اور نظام حکومت میں شریک ہونے کی کوشش کریں

تو ہم فلاح اور فلاح نقصانات پہنچ جائیں گے۔ ایسے دلائل سے کسی ایسی چیز کو جو اصولاً حرام ہے، حلال ثابت نہیں

کیا جاسکتا۔ ورنہ شریعت کی کوئی حرام چیز ایسی نہ رہ جائے گی جس کو مصلحتوں اور ضرورتوں کی بنا پر حلال نہ ٹھہرایا جائے۔
 اضطراب کی بنا پر حرام چیزیں استعمال کرنے کی اجازت شریعت میں پائی تو جاتی ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آپ خود
 اپنی غفلتوں سے ۱۔ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کر کے اضطراب کی حالتیں پیدا کریں، پھر اس اضطراب کو دلیل بنا کر
 تمام محرمات کو اپنے لیے حلال کرتے جائیں اور اس اضطراب کی حالت کو ختم کرنے کے لیے کوئی کوشش نہ کریں۔ جو نظام اس وقت
 مسلمانوں پر مسلط ہوا ہے جس کے تسلط کو وہ اپنے لیے دلیل اضطراب بنا رہے ہیں، وہ آخر ان کی اپنی ہی غفلتوں کا تو
 نتیجہ ہے۔ پھر اب بجائے اس کے کہ اپنا سرمایہ قوت و عمل اس نظام کے بدلنے اور خالص اسلامی نظام قائم کرنے
 کی سعی میں صرف کریں، وہ اس اضطراب کو محبت بنا کر اسی نظام کے اندر حصہ دار بننے اور پھیلنے پھونکنے کی کوشش
 کر رہے ہیں۔

(۲) دوسری چیز جو آپ نے دریافت کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ایک فرد مسلم اگر کسی فرد غیر مسلم سے اجرت یا تحفہ
 پر کسی خدمت کے ادا کرنے کا معاملہ کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بشرطیکہ وہ خدمت براہ راست کسی حرام
 سے متعلق نہ ہو۔ اسی بنیاد پر علماء کا ایک بڑا گروہ حکومت کفر کی ملازمت کو جائز ٹھہرانے کی کوشش کرتا ہے، لیکن یہ لوگ اس
 فرق کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ایک فرد غیر مسلم کے شخصی کاروبار اور ایک غیر اسلامی نظام کے اجتماعی کاروبار میں اصولاً ہوتا
 ہے۔ ایک غیر اسلامی نظام تو قائم ہوتا ہی اس غرض کے لیے ہے اور اس کے سارے کاروبار کے اندر ہر حال اور ہر پہلو
 میں مضمر یہ چیز ہوتی ہے کہ اسلام کے بجائے غیر اسلام، طاعت کے بجائے معصیت اور خلافت الہی کے بجائے خدا
 بنات انسان کی زندگی میں کارفرما ہو، اور ظاہر ہے کہ یہ چیز حرام اور تمام محرمات سے بڑھ کر حرام ہے۔ لہذا ایسے نظام کو
 چلانے والے شعبوں میں یہ تفریق نہیں کی جاسکتی کہ فلاں شعبے کا کام جائز نوعیت کا ہے اور فلاں شعبے کا ناجائز، کیونکہ
 یہ سارے شعبے لابل بل کر ایک ہی بڑی معصیت کو قائم کر رہے ہیں۔ اس معاملہ کی ٹھیک ٹھیک نوعیت سمجھنے کے لیے
 یہ مثال کافی ہوگی کہ اگر کوئی ادارہ اس غرض کے لیے قائم ہو کہ عامۃ الناس میں کفر کی اشاعت کرے اور مسلمانوں کو
 مرتد بنائے تو اس ادارہ کا کوئی کام اجرت پر کرنا، خواہ وہ کام بجائے خود حلال قسم کا ہو (مگر اس ادارے کی تقویت
 اور اس کے کام کو فروغ دینے کے لیے ہر حال ناگزیر ہو) کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہو سکتا۔

اس معاملہ میں بھی آخر کار مسلمان اضطراب والی حجت پیش کرنے پر اتر آتے ہیں کہ اگر ہم اس حکومت کی

مشینری میں کل پرزے نہ بنیں گے تو غیر مسلم اس پر قابض ہو جائیں گے اور تمام اقتدار ان کے ہاتھ میں چلا جائے گا۔ لیکن اس کا جواب وہی ہے جو پہلے مسئلہ میں اضطراب کی دلیل پر دیا گیا ہے۔

پر امن انقلاب کا راستہ

سوال :- قول میں دو شبہات پیش کرتا ہوں۔ براہ کرم صحیح نظریات کی توضیح فرما کر انہیں مٹا کر دیجیے۔

(۱) ترجمان القرآن کے گزشتہ سے پرست پرچہ میں ایک سائل کا سوال شائع ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی منظم اسٹیٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا مگر حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے ایک منظم اسٹیٹ تھا اور انھوں نے جب ریاست کو اقتدار کی منتقل کرنے پر آمادہ پایا تو اسے بڑھ کر قبول کر لیا اور طریق کار اختیار نہیں کیا کہ پہلے مومنین صالحین کی ایک جماعت تیار کریں۔ کیا آج بھی جب کہ اسٹیٹ اس دور سے کئی گنا زیادہ ہمہ گیر ہو چکا ہے اس قسم کا طریق کار اختیار کیا جاسکتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے اُس سے مجھے پورا پورا اطمینان نہیں ہوا۔ مجھے یہ دریافت کرنا ہے کہ ہم کو حضرت یوسف علیہ السلام کا اتباع کرنا ہی کیوں چاہیے؟ ہمارے لیے تو حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ واجب الاتباع ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کی بادشاہت کی پیشکش کو رد کر کے اپنے ہی خطوط پر جدا گانہ ریاست کی تعمیر و تفصیل کا کام جاری رکھنے کا فیصلہ کیا تھا، اور ہمارے لیے بھی طریق کار اب یہی ہے! واضح فرمائیے کہ میری رائے کس حد تک صحیح یا غلط ہے۔

(۲) آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ کسی مرحلہ پر اگر ایسے آثار پیدا ہو جائیں کہ موجودہ وقت دستور طریقہ سے نظام باطل کو اپنے اصول پر ڈھالا جائے تو ہمیں اس موقع سے فائدہ اٹھانے میں تاثر نہ ہوگا۔ اس جملہ سے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ جماعت اسلامی بھی ایک حد تک اسمبلیوں میں آنے کے لیے تیار ہے اور ایکشن کو جائز سمجھتی ہے۔ اس معاملہ میں جماعتی مسلک کی توضیح فرمائیے۔

جواب :- ہمارے لیے سارے انبیاء علیہم السلام واجب الاتباع ہیں۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی ہدایت تھی کہ اسی طریق پر چلیں جو تمام انبیاء کا طریق تھا۔ جب قرآن کے ذریعہ سے ہمیں معلوم ہو جائے کہ کسی معاملہ میں کسی نبی نے کوئی خاص طرز عمل اختیار کیا تھا اور قرآن نے اس طریق کار کو منسوخ بھی نہ فرمایا ہو

تو وہ دیا ہی دینی طریق کا ہے جیسا وہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنون ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بادشاہی پیش کی گئی تھی وہ اس شرط کے ساتھ مشروط تھی کہ آپ اس دین کو اور اس کی تبلیغ کو چھوڑ دیں، تو ہم سب مل کر آپ کو اپنا بادشاہ بنالیں گے۔ یہ بات اگر یوسف علیہ السلام کے سامنے بھی پیش کی جاتی تو وہ بھی اسی طرح اس پر منت بھیجتے جس طرح نبی کریم نے اس پر منت بھیجی اور ہم بھی اس پر منت بھیجتے ہیں۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کو جو اختیارات پیش کیے گئے تھے وہ غیر مشروط اور غیر محدود تھے اور ان کے قبول کر لینے سے حضرت یوسف کو یہ اقتدار حاصل ہو رہا تھا کہ ملک کے نظام کو اس ڈھنگ پر چلائیں جو دین حق کے مطابق ہو۔ یہ چیز اگر نبی کریم کے سامنے پیش کی جاتی تو آپ بھی اسے قبول کر لیتے اور خواہ مخواہ نہ کر ہی وہ چیز حاصل کرنے پر اصرار نہ کرتے جو بغیر لڑے پیش کی جا رہی ہو۔ اسی طرح کبھی ہم کو اگر یہ توقع ہو کہ ہم رائے عام کی تائید سے نظام حکومت پر اس طرح قابض ہو سکیں گے کہ اس کو خالص اسلامی دستور پر چلا سکیں تو ہمیں بھی اس کے قبول کر لینے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔

(س) الیکشن لڑنا اور اسمبلی میں جانا اگر اس شخص کے لیے ہو کہ ایک غیر اسلامی دستور کے تحت ایک لادینی (Secular) جمہوری (Democratic) ریاست کے نظام کو چلائے جائے تو یہ ہمارے عقیدہ توحید اور ہمارے دین کے خلاف ہے۔ لیکن اگر کسی وقت ہم ملک کی رائے عام کو اس حد تک اپنے عقیدہ و مسلک سے متفق پائیں کہ ہمیں یہ توقع ہو کہ عظیم الشان اکثریت کی تائید سے ہم ملک کا دستور حکومت تبدیل کر سکیں گے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اس طریقہ سے کام نہ لیں۔ جو چیز لڑے بغیر سیدھے طریقہ سے حاصل ہو سکتی ہو اس کو خواہ مخواہ ٹیڑھی انگلیوں ہی سے نکالنے کا ہم کو شریعت نے حکم نہیں دیا ہے۔ مگر یہ اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ ہم یہ طریقہ کار صرف اس صورت میں اختیار کریں گے جبکہ اولاً، ملک میں ایسے حالات پیدا ہو چکے ہوں کہ محض رائے عام کا نئی نظام کے لیے ہموار ہو جانا ہی عملاً اس نظام کے قائم ہونے کے لیے کافی ہو سکتا ہو۔

ثانیاً، ہم اپنی دعوت و تبلیغ سے باشندگان ملک کی بہت بڑی اکثریت کو اپنا بھتیجا بنا چکے ہوں اور غیر اسلامی نظام کے بجائے اسلامی نظام قائم کرنے کے لیے ملک میں عام تقاضا پیدا ہو چکا ہو۔